۱

موجِ غزل حرفی مشاعروں پر مبنی برقی کتاب

دیوانِ موجِ غزل

حرفِ تہجی "الف"

مرتبہ:
نوید ظفر کیانی

بسم الله الرحمن الرحيم

موجِ غزل حرفی مشاعروں پر مبنی برقی کتاب

دیوانِ موجِ غزل

حرفِ تہجی "الف"

مشاعرہ نمبر ۵۲
۱۵/اپریل ۲۰۱۷ء

مشاعرہ نمبر ۲۹۲
۲۱/نومبر ۲۰۲۱ء

گروپ منتظمین:

ہاشم علی خان ہمدم

نوید ظفر کیانی

روبینہ شاہین بینا

مرتبہ:

نوید ظفر کیانی

موجِ غزل پبلیکیشنز

mudeer.ai.new@gmail.com

https://archive.org/details/@nzkiani

https://www.facebook.com/groups/1736109056634616/

فہرست

پیش رس

حرفِ تازہ کشید کرتا ہوا
میں غزل سے اٹھا نکھرتا ہوا
پھول جیسا ہے مجھ کو رزقِ سخن
رنگ موجِ غزل میں بھرتا ہوا

حرفِ تازہ کشید کرنا غزل کا حسن اور سخن کا نکھار ہے۔ تازہ کاری گل کاری ہے جو خون جگر سے قرطاس پر نمودار ہوتی ہے۔ نمود حرف موج غزل کا رنگ ہے جو بحر سخن میں نہاں گوہر نایاب منعکس کرتا ہے۔

موجِ غزل اپریل ۲۰۱۶ء سے مسلسل حرفِ تازہ کی دُھن میں رواں دواں ہے۔ منفرد تخلیقی عمل میں طرحی مشاعروں کے انعقاد کے ساتھ ساتھ منفرد ردیف رنگ، منفرد قوافی رنگ، اصنافِ سخن رنگ اور پابند حرفی ردیف رنگ موج غزل کا منفرد مقام متعین کرتے ہیں۔ اتنے خوب صورت رنگوں سے مزین خوب صورت شاعری سماجی رابطے کی دنیا میں اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔ موجِ غزل کے مستقل ممبران مسلسل تخلیق کاری سے ہر رنگ میں اپنی خوشبو بکھیر رہے ہیں۔ اِس سفر میں موجِ غزل کی انتظامیہ، میزبان اور ممبران کا تعاون اور یک جہتی قابلِ تحسین ہے۔ گذشتہ چھ سالوں میں ہمارے ساتھ کئی نام ور شعراء شریکِ سفر رہے۔ بالخصوص ضیاء شہزاد صاحب، بلال رشید صاحب، امین جسپوری صاحب، رہبر صمدانی صاحب، ڈاکٹر ذوالفقار دانش صاحب اور عارف محمود قادری صاحب ہمارے دیرینہ ساتھی رہے جو اب اس دنیا میں نہیں۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

موجِ غزل کے سفر میں نوید ظفر کیانی صاحب اور محترمہ روبینہ شاہین بیناؔ صاحبہ کی کاوش سے گاہے بگاہے برقی کتب کی اشاعت موج غزل کا خاصہ رہی ہے۔ اس ضمن میں "دیوان موج غزل" کے عنوان سے ایک اور اشاعتی سلسلہ شروع کیا جارہا ہے جس میں موج غزل کے پابند حرفی ردیف رنگ مشاعروں میں کہا گیا کلام شامل کیا جارہا ہے۔ حرفی ردیف الف سے ے تک دیوان کی تکمیل کے بعد یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا گیا اور اب تک حرفی ردیف "ذ" تک مشاعرے منعقد ہو چکے ہیں۔ جن میں مستقل ممبران اپنا دیوان مکمل کر چکے ہیں۔ "دیوانِ موج غزل" کے پہلے مجلّے میں پابند حرفی ردیف "الف" پر کہا گیا کلام شامل ہے۔ یہ کلام موج غزل کے ۵۲ ویں اور ۲۹۲ ویں مشاعرہ میں پیش کیا گیا۔ اس برقی مجلّے میں شامل شعرا کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ تمام اہل موج غزل بھرپور محبت اور یک جہتی سے اس ادبی قافلے کو رواں دواں رکھیں گے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اللہ سب کو شاد باد اور بامراد رکھے۔ آمین

ہاشم علی خان ہمدم

منتظم موجِ غزل ادبی فورم

غزل

احمد علی برقی اعظمی

عالمِ آب و گل میں کیا دیکھا
ہر طرف حشر اک بپا دیکھا

شر پسندوں کا تھا وہی سردار
جس کو محفل میں پارسا دیکھا

بے حیائی پہ ناز کرتا ہے
ایسا کوئی نہ بے حیا دیکھا

امنِ عالم کے نام پر اس کو
ہر جگہ جنگ آزما دیکھا

سر پھرے دیکھے ہیں بہت لیکن
کوئی ایسا نہ سر پھرا دیکھا

کتنا دیدہ دلیر ہے مجھ سے
کہہ رہا ہے بتا یہ کیا دیکھا

چار دن کی تھی چاندنی دنیا
زندگی کو حباب سا دیکھا

اس کے شر سے نہ بچ سکا کوئی
زال دنیا کو بے وفا دیکھا

عشق جذبہ ہے ایسا عالمگیر
جس میں عالم کو مبتلا دیکھا

دستِ قدرت کا شاہکار ہے یہ
اپنے دل کو جہاں نما دیکھا

دُور سے تھا جو چاند سا چہرہ
پاس آیا تو بدنما دیکھا

مجھ سے نا آشنا تھا جواب تک
وقت پر اس کو آشنا دیکھا

جس کو اپنا سمجھ رہا تھا میں
اس کو بس مصلحت نما دیکھا

آزمودہ کو آزمانا کیا
جس کا شر میں نے بارہا دیکھا

تھی وہ تصویر خود نمائی کی
جب بھی برقیؔ نے آئینہ دیکھا



غزل

احمد مسعود قریشی

اُس کو مجھ پر جو آج پیار آیا
دِل میں موسم مرے بہار آیا

دید ہوتی تھی اُس کی مشکل سے
دِید کر لی مجھے قرار آیا

جب بھی پینے کو دِل مرا چاہا
اُس کی آنکھوں سے پی خمار آیا

حسن اُس کا تو ایک شعلہ ہے
آنکھ اُس سے لڑی شرار آیا

وصل کرنے کی ہے اُمید اُس سے
اُس کے کوچے میں دِل کو ہار آیا

روز جاتا تھا اُس کے کوچے میں
عاشقوں میں مرا شمار آیا

بات مسعودؔ تجھ سے کہتا ہے
مجھ کو تجھ پر فقط ہے پیار آیا

غزل

احمد مسعود قریشی

پیار اک دن تو رنگ لائے گا
میرا دلبر مرا ہو جائے گا

پیار تجھ کو ہے یا نہیں مجھ سے
کیا قسم میری اب تو کھائے گا

میری محفل میں آکے دیکھ ذرا
گیت الفت کے دل سنائے گا

حسن تیرا ہے شعلہ ہے معلوم
آگ سینے میں تو لگائے گا

اپنی آنکھوں سے جاں پلا دے مجھے
غم مرا تو ہی بس مٹائے گا

دوست بن جائیں گے ترے بھی بہت
شمع چاہت کی جب جلائے گا



غزل

احمد مسعود قریشی

کام دنیا میں جب کیا اچھا
سارے لوگوں کو وہ لگا اچھا

وصل کرنے کا جو کہا اس سے
سن کے مجھ سے فقط کہا اچھا

نام دنیا میں ہو تمھارا میاں
کام دل سے کرو سدا اچھا

ہنس کے اس نے جو بات کی اک دن
مجھ کو لگنے لگا بڑا اچھا

قصہ سوہنی کا ہے جواں اب بھی
اب تو جگ میں کہاں گھڑا اچھا

بچہ جیسا بھی ہو کسی کا دوست
سب ہی کہتے ہیں یہ مرا اچھا

دور ہوں گے اندھیرے دل کے سب
دیپ چاہت کا تو جلا اچھا

غزل

احمد مسعود قریشی

عشق جب اپنا تھا ہوا پہلا
پھول الفت کا پھر کھلا پہلا

شعر الفت کا اک لکھا میں نے
اس نے لائک مجھے دیا پہلا

پھول خط میں رکھے بہت اعلیٰ
خط میں نے جب اسے لکھا پہلا

حال دل کا کہا تھا اس سے میں نے
وصل اس سے تھا جب ہوا پہلا

جس کو چاہا بہت میں نے دل سے
دوست میرا وہی بنا پہلا



غزل

اِندر سرازی

اچھا ہو یا برا نہیں کرتا
میں کسی سے دغا نہیں کرتا

آج رونا مجھے نہیں پڑتا
گر میں اتنا اچھا نہیں ہوتا

چوٹ کھانا مرا مقدر تھا
اس لئے میں گلہ نہیں کرتا

یہ فقط سوچنے کی باتیں ہیں
دل سے کوئی برا نہیں ہوتا

زخم کھائے ہیں اتنے کی مجھ سے
حال دل اب ادا نہیں ہوتا

دِل کے خوں سے بھی سینچ کر دیکھا
پیڑ کیوں یہ ہرا نہیں ہوتا

جس نے جیسا کِیا وہی پایا
لوگوں پہ ظلم خدا نہیں کرتا

غزل

اِندر سرازی

ہر کوئی پاسباں نہیں ہوتا
بوڑھا پھر سے جواں نہیں ہوتا

رازداں ہوتے ہیں وہ گھر اکثر
جن گھروں میں دھواں نہیں ہوتا

مدّتوں سے جسے چھپایا ہے
مجھ سے اب وہ بیاں نہیں ہوتا

لوگ اکثر یہی بتاتے ہیں
میں جہاں ہوں وہاں نہیں ہوتا

درد تو آج بھی بہت ہے پر
لفظوں میں اب بیاں نہیں ہوتا



غزل

انعام الحق معصوم صابری

آنکھ میں ہے نشہ اداسی کا
جام جو پی لیا اداسی کا

غمِ ہجراں میں جب سے آنکھ لگی
ایک منظر کھلا اداسی کا

شبِ فرقت ہوئی ہے جب سے ختم
ابھرا خورشید سا اداسی کا

چھا گئی خامشی بہر جانب
زیست میں لمحہ تھا اداسی کا

ہو گیا ہوں میں تیرا جانِ جاں
مجھ سے کیا واسطہ اداسی کا

اُس کے جاتے ہی کیا ہوا ساقی
میکدہ بن گیا اداسی کا

شوخ گفتاری کیا ہوئی معصومؔ
کیوں نوشتہ بنا اداسی کا

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

بلال رشیدؔ

دِل کو یہ اطمنان ہے مولا
تو بڑا مہربان ہے مولا

تیری قدرت سے کچھ نہیں باہر
کیا عجب تیری شان ہے مولا

حمد کا حق ادا جو کر پایا
کون سی وہ زبان ہے مولا

کوئی رشتہ نہیں بھروسے کا
بس مجھے تجھ پہ مان ہے مولا

تیرے جلوے ہیں چارسو بکھرے
گو کہ تو بے نشان ہے مولا

فضل تیرا ہی اس علالت میں
مجھ کو دیتا امان ہے مولا

ہے حکومت ابد تلک جس کی
تو ہی وہ حکمران ہے مولا

لب پہ تیرا ہی نام ہے ہر دم
دل میں تیرا مکان ہے مولا

جس کے کرنے سے لب نہیں تھکتے
حمد ایسا بیان ہے مولا

کچھ نہیں اب بلال میں ہمت
گو کہ یہ نوجوان ہے مولا



غزل

جیاؔ قریشی

فن میں پیدا یہ معجزہ کرنا
آئینہ بھی غزل نما کرنا

گر سنورنا تو یوں سنور جانا
عکس آئینہ رونما کرنا

آج کچھ اور ہے یہ بے تابی
دِل کے پیغام کو ہوا کرنا

کن یزیدوں نے ٹھان رکھا ہے
پاک دھرتی کو کربلا کرنا

اے غمِ زندگی کی رات کے چاند
رفتگاں سے بھی آشنا کرنا

بھول جانا لحاظ اور آداب
یوں محبت کی انتہا کرنا

چل پڑی ہوں یقیں کے رستے پر
کوئی چارہ مرے خدا کرنا

ہجر کی شب گزارنا لیکن
دن چڑھے وصل کی دعا کرنا

مسندِ قیس کا تقدس ہے
دامن دشت سے وفا کرنا

ہے مقدر میں اپنے رسمِ جنوں
چاک دامن کو تم سیا کرنا

اس لیے دل لگا لیا میں نے
بس مرے دل میں تم رہا کرنا

کیا کہوں پیار ہو گیا تھا مجھے
پیار سیکھا نہیں جیا کرنا

غزل

حیاؔ قریشی

بچھڑنے والے سے اب بھی ہے رابطہ میرا
بنامِ عشق رہے گا یہ ضابطہ میرا

نہ جانے عشق ہے یہ، یا جنون ہے میرا
تمہارے ساتھ عجب ہی ہے واسطہ میرا

مجھے یہ راہِ محبت نے آن بخشا تھا
سدا مہکتا رہے گا یہ آبلہ میرا

کلہاڑی کاٹ رہی تھی شجر اور اک چڑیا
پکارتی تھی کہ "ہائے وہ گھونسلہ میرا"

اکیلی، راہ گزر پر کھڑی رہی برسوں
کہیں غبار میں کھویا تھا قافلہ میرا

مرے غنیم کو جا کر یہ بات بتلاؤ
گِرا نہیں ہے کسی رن میں حوصلہ میرا

مجھے محبت و اُلفت کا روگ ہے لاحق
سلجھ نہ پائے گا دائم یہ مسئلہ میرا

محبتوں کے قبیلے سے ربط ہے میرا
زمانے بھر میں ہے مشہور سلسلہ میرا

اندھیری شب تھی، ڈگر چُپ تھی، پاؤں بھی شل تھے
اور اِس پہ دُھند میں لپٹا تھا راستہ میرا

اے فصیلِ دلِ و جان سے اُتارنا ہے
کٹھن بہت ہے جیا آب یہ فیصلہ میرا



غزل

خاور چشتی

لوٹ آؤ ہے واسطہ میرا
مڑ کے دیکھو نہ راستہ میرا

مانا ہم بات کر نہیں پاتے
تم سے ہوتا نہ رابطہ میرا

بھول جانا تمہیں نہیں ممکن
کیونکہ ایسا نہ ضابطہ میرا

نہ یقیں ہو تو آؤ دکھلاؤں
پاؤں پر کیسا آبلہ میرا

نکلا گھر سے تھا ساتھ سب کے میں
بچھڑا رستے میں قافلہ میرا

لوگ کہتے ہیں جو بھی کہنے دو
ٹوٹے گا اب نہ سلسلہ میرا

پھر بھی تنہا خدا نہیں لوٹا
تم کو لے آیا حوصلہ میرا

غزل

خضرحیات خضرؔ

کر کے مدہوش نگاہوں سے گرانے والا
میکدے میں نہیں ساقی وہ پلانے والا

قدر پائے گا مری بعد مرے مرنے کے
جب رہا کوئی نہ پھر ناز اٹھانے والا

رتجگے دے کے مرا چین سکوں سب لے کر
اب کہاں ہے وہ مجھے مجھ سے چرانے والا

قتل میں صبر سے کرتا ہوں ستمگاروں کو
میں نہ خود ہوں نہ ہے انداز زمانے والا

چھوڑ جاتے ہیں سبھی راہ میں اک اک کرکے
کون ملتا ہے یہاں ساتھ نبھانے والا

خود پھنسا ان میں ذرا دیکھو جہاں والو اب
راہ میں غیر کی وہ خار بچھانے والا

کر توکل تو خُدا پر نہ کسی سے ڈرنا
مارنے والے سے برتر ہے بچانے والا

کارواں دشت میں ہر گام پہ رہزن ٹھہرے
کوئی تو خضرؔ بھی ہو راہ دکھانے والا

غزل

خمار دہلوی

یوں نہ راتوں کو جاگتا ہو گا
چاند مجنوں یا باؤلا ہو گا

آپ نظریں اٹھا نہ پاؤ گے
روبرو جبکہ آئینہ ہو گا

یہ جو سرحد دکھائی دیتی ہے
اس سے آگے بھی راستہ ہو گا

یہ جو روشن ہے باد و باراں میں
کوئی امید کا دِیا ہو گا

غور اس پر بھی کیجئے صاحب
سوچتے ہی رہے تو کیا ہو گا

وہ جو لگتا باوفا جیا
وقت پر وہ بھی بے وفا ہو گا

جِن پہ ہم جاں نثار کرتے ہیں
کیا خبر تھی انہیں گلہ ہو گا

لال ڈورے نہیں ہیں نشّے کے
اُس کی آنکھوں میں رتجگا ہو گا

گرم ہے پھر ہَوا اخبار آخر
شہر میں پھر سے حادثہ ہو گا

غزل

دلشاد نسیم

وجد میں عشقِ باکمال آیا
جب کبھی ہجر کا سوال آیا

مسئلہ حل یہ ہو نہیں پاتا
آئینے میں یہ کیسے بال آیا

آج یہ چاند پھیکا لگتا ہے
آج ملنے وہ خوش جمال آیا

میں نے سورج سے آج پوچھا ہے
کس جگہ رکھ کے میرے سال آیا

ہاتھ تھاما ہوا تھا بادل کا
اوج پہ آج تو کمال آیا

پہلے کوئل ہی گنگناتی تھی
پھر مجھے رقص کا خیال آیا

لوگ یہ پوچھتے ہیں منصف سے
کیوں ترے عدل پہ زوال آیا

غزل

ڈاکٹر ثروت رضوی

وہ یہ سمجھا کہ دل لگی کا تھا
مسئلہ ساری زندگی کا تھا

کیوں اندھیرے نگل گئے اس کو
شہر میرا تو روشنی کا تھا

سایہ کس کا رفیق ہوتا ہے
چاند کا تھا نہ چاندنی کا تھا

تیرے در پر جبین رکھ آئی
شوق کچھ ایسا بندگی کا تھا

حسن کو تھا خراج سے مطلب
نام بدنام عاشقی کا تھا

خالی دامن چلی سوئے منزل
ڈر سفر میں جو رہزنی کا تھا

ساتھ لے آئی تیری یاد کا چاند
مجھ کو خدشہ جو تیرگی کا تھا

ہر سخن باریاب جو ٹھہرا
مجھ پہ سارا کرم انہی کا تھا

ہوش آیا تو ہوش کھو بیٹھے
سامنا ایسی بے خودی کا تھا

بن پیے بھی سرور میں تھے ہم
دور کچھ ایسا مے کشی کا تھا

خود بکھرتی چلی گئی خوشبو
نام اس میں بھی تیتری کا تھا

وہ کوئی جلترنگ تھا شاید
یا اشارہ کسی ہنسی کا تھا

سرمئی شام رو پڑی آخر
سر کوئی ایسا بانسری کا تھا

خود جلی اور ہنسا دیا سب کو
کام ایسا تو پھلجڑی کا تھا

میں بھی سکھر شہر کی شہزادی
وہ بھی شہزادہ روہڑی کا تھا

وہ جو خود کو خدا سمجھ بیٹھا
اُس کو احساس برتری کا تھا

زندگی کو بنا گیا ثروتؔ
ایک لمحہ جو آگہی کا تھا

غزل

ڈاکٹر شاہد رحمان
فیصل آباد

ساتھ کوئی اگر نہیں ہوتا
زندگی کا سفر نہیں ہوتا

دُور آنکھوں سے وہ چلا جائے
دُور دل سے مگر نہیں ہوتا

عمر ساری سفر میں رہتے ہیں
ختم پھر بھی سفر نہیں ہوتا

پھر تو سو بار ہم پہ حیرت ہے
عشق ہم سے اگر نہیں ہوتا

چاند تارے چمکتے ہیں گھر میں
چاند تاروں میں گھر نہیں ہوتا

روز جاتے تھے اس گلی میں ہم
اب تو اپنا گزر نہیں ہوتا



غزل

ڈاکٹر شوکت شفا شیدا

کل ہے کہنا جو آج کل ہے تھا
عشق مجھ کو نہ کہہ کہ ہے اے! تھا

جس کو تو نے اگل کے پھینک دیا
میں ہی جاناں تمہاری وہ قے تھا

دِل کو پردہ نشیں نے کھینچ لیا
حسرتا وہ نقاب ہی مے تھا

عشق نے سر دیا ہے ہاتھوں میں
کیا لیا، کیا گیا میں لینے تھا

درد سارا شفا نگل بیٹھا
وہ نگلنے کے میرے در پے تھا



غزل

ڈاکٹر شوکت شفا شیدا

پاس میرے جگر کے اے دل آ
اب مسافر کی اور منزل آ

اُٹھ کے گرتا ہوں گر کے اٹھتا ہوں
تھامنے مجھ کو میرے ساحل آ

لوح میں چھید کر کے آسیدھے
طے نہ ہوں گے کبھی مراحل آ

لطف دیتی سوا ہے کٹھنائی
وصل فرقت سے بھی ہے مشکل آ

دیکھ مشہد پہ سر کو لایا ہوں
قتل کرنے کو مجھ کو قاتل آ

ہے نہیں بننا بن نہ رنگِ حنا
کچھ نہیں بن کے ماتھے پر تل آ

تیرے آنے سے جانتا ہے شفاؔ
کچھ بھی ہوگا اسے نہ حاصل آ

غزل

ذہینہ صدیقی
نئی دہلی، ہندوستان

وعدے پہ اعتبار مت کرنا
تم میرا انتظار مت کرنا

یاد آئے اگر کبھی میری
دل کو تم بیقرار مت کرنا

جس کو ایثار کی ہی قدر نہ ہو
اُس پہ ہستی نثار مت کرنا

اِس میں ہر گام پر خسارا ہے
عشق کا کاروبار مت کرنا

جو کریں لوگ اُن کو کرنے دو
تم نہتے پہ وار مت کرنا

جانور میں بھی جان ہوتی ہے
بھول کر تم شکار مت کرنا

بس مری اتنی ہی گزارش ہے
دشمنوں میں شمار مت کرنا

گر بچھڑنا پڑے ذہینہ سے
کوئی قول و قرار مت کرنا

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

رعنا حسین
ہیوسٹن USA

ذکر تیرا ہے اور بیاں تیرا
ہے جبیں میری آستاں تیرا

اشک سجدوں میں گر پڑے میرے
اور قلم لکھ رہا بیاں تیرا

ہاتھ میں تیرے نام کی تسبیح
نام سینے میں ہے نہاں تیرا

چاند، تاروں میں پھول و خوشبو میں
ہر جگہ پایا ہے نشاں تیرا

تجھ کو سجدہ کیا ہے جب میں نے
چُھو لیا جیسے آسماں تیرا

ذکر کرتی ہے ہر زباں تیرا
یعنی شاہد ہے کُل جہاں تیرا

تُو ہے موجود تُو ہی غائب ہے
یعنی ہر اک جگہ نشاں تیرا

اِتنی اوقات بخش دے مولا
ہو جبیں میری آستاں تیرا

یہی رعنؔا کی التجا مولا
ہو کرم مجھ پہ بیکراں تیرا

غزل

رعنا حسین
ہیوسٹن USA

جب کہ لہجے میں تیرے نشتر تھا
ہاتھ میں کس لیے یہ خنجر تھا

آپ اپنے ہی میں تعاقب میں
جانے پیروں میں کیسا چکر تھا

اُس نے جوگن بنا دیا مجھ کو
زرد موسم جو میرے اندر تھا

سرسری تم جہان سے گزرے
ورنہ قدموں پہ واں مرا سر تھا

آپ خود کو میں ڈھونڈھ پاتی نہیں
کیونکہ جنگل جو دل کے اندر تھا

رات بھر نیند آئی نہ اک پل
کوئی تو بوجھ میرے دل پر تھا

میرے رونے پہ بھی نہیں روتا
اُس کا سینہ تو جیسے پتھر تھا

اُس کو دفنایا ایک مجمع نے
وہ جو تنہائیوں کا خوگر تھا

ساتھ کانٹوں کے زندگی گزری
پھول جیسا مِرا مقدر تھا

ساتھ چلنا کٹھن تھا رعنا جی
بے گھری ہی مِرا مقدر تھا



غزل

رعنا حسین
ہیوسٹن USA

درد کی وہ بھی کیا دوا لایا
ہجر کا نسخہ کیمیا لایا

لفظ ہونٹوں پہ آکے جلنے لگے
جب بھی دل غم کا مدعا لایا

اُلفتوں کی کمی نہیں تھی مگر
اپنی قسمت کہ وہ جفا لایا

سانولی شام کی اداسی میں
چاند چہرہ ترا چھپا لایا

کہہ رہا تھا وہ کھو گئیں نیندیں
یہ بھی الزام دل اُٹھا لایا

جاں رواجوں کی نذر کی لیکن
باپ دستار تو بچا لایا

دل جو حیران ہو کے روتا ہے
تیری آنکھوں سے کیا چُرا لایا؟

کوئی اپنا نہیں یہاں رعنؔا
وقت ہم کو کہاں اٹھا لایا

غزل

روبینہ شاہین بیناؔ

فیس بکیوں نے ایسا تماشا کیا
فیک چہرہ دکھایا تماشا کیا

بونگیوں میں سب ٹیگ کرتے گئے
وال پر سب نے اپنا تماشا کیا

تین زوجاؤں کے ہاتھ سے وہ پٹا
جس نے شادی کا چوتھا تماشا کیا

یہ سیاست بھی تو اک عجب کھیل ہے
لیڈروں نے بھی کیا کیا تماشا کیا

یوں بجاتے گئے ڈگڈگی راہبر
بندروں کو نچایا تماشا کیا

کبھی چانٹا جڑا اور کبھی تھپکی دی
زندگی نے بھی اچھا تماشا کیا

روکنے والے بس روک کر رہ گئے
کرنے والوں نے ہر جا تماشا کیا

بات کچھ بھی نہ تھی پر گلے پڑ گئی
جو کہ ہم نے کیا، کیا تماشا کیا

مقتدر لوگ بھی بازی گر تھے عجب کیا
چار سالوں میں خاصا تماشا کیا

گرچہ منصف نے حق پہ دیا فیصلہ
اس پہ شرفا نے کیا کیا تماشا کیا

کبھی غالب کو رگڑا کبھی میر کو
ہم نے شعروں میں بپا تماشا کیا

غزل

رہبؔر صمدانی

مرحلہ آ گیا بھلانے کا
دِل سے نقشِ وفا مٹانے کا

کیسے آسودہ حال رہتے تھے
شوق تھا بارِ غم اٹھانے کا

منتظر ہوں میں ایک مدت سے
اپنی شامِ الم سجانے کا

کوئی مفہوم تو نکلتا ہے
ان ستاروں کے جگمگانے کا

سلسلہ کاش ٹوٹتا نہ کبھی
آئینوں سے فریب کھانے کا

کوئی تو بات کر ٹھکانے کی
کوئی تو کام کر ٹھکانے کا

اچھا یارو چلے خدا حافظ
وقت اب ہوگیا ہے جانے کا

خواب سارے بکھر گئے رہبرؔ
ہم نے سوچا تھا گھر بنانے کا

غزل

رہبر صمدانی

دِل پہ گزرا ہے سانحہ کیا
روز، ہوتا ہے رتجگا کیا

پیش منظر ہے چاہتوں کا سفر
پس منظر ہے دائرہ کیا

سرحدِ دل سے سرحدِ جاں تک
جگمگاتا ہے آئینہ کیا

آپ نے راستے بدل ڈالے
آپ سے کرتے مشورہ کیا

حسن اور عشق کے تناظر میں
ہے محبت کا فلسفہ کیا

کوئی خط ہے نہ کوئی نقطہ ہے
بنتا جاتا ہے زاویہ کیا

ٹلتی رہتی ہے سر سے موجِ بلا
ہوتا رہتا ہے معجزہ کیا

جو سراپا حسین ہو رہبر
سرسری اُس کو دیکھنا کیا

غزل

رہبر صمدانی

شاخ سے ٹوٹ کر گرا پتا
اور پھر لے اڑی ہوا پتا

موسمِ گل کی لاج رکھتا ہے
اپنی اپنی بساط کا پتا

آج بیزار ہوگیا وہ بھی
جو تھا موسم سے آشنا پتا

کیا قیامت گزر گئی آخر
کیسے سوکھا ہرا بھرا پتا

موسموں کو بدلنا پڑتا ہے
جب بدلتا ہے زاویہ پتا

یاد آتا ہے کوئی شدت سے
دیکھتے ہی گلاب کا پتا

چھو نہ سکتی جسے خزاں رہبرؔ
کھینچتا ایسا دائرہ پتا

غزل

سالک ادیب

زندگانی سفر نہیں ہے کیا
اس پہ تیری نظر نہیں ہے کیا

غم سے دامن بچا کے ہر لمحہ
مسکرانا ہنر نہیں ہے کیا

دل لگاتے ہو کس لیے اس سے؟
دہر غم کا نگر نہیں ہے کیا

روز آوارہ گھومنے والے
بول تیرا ابھی گھر نہیں ہے کیا

مجھ کو تیری تلاش تھی کب سے
تجھ کو اس کی خبر نہیں ہے کیا

راہِ مشکل سے ڈر رہا ہے کیوں
پاس تیرے جگر نہیں ہے کیا

صبر سالکؔ آدیب کر لیجے
اِس کا میٹھا ثمر نہیں ہے کیا

غزل

سالک ادیب

مجھ کو چائے پہ وہ بلائے گا
دوست اپنا ہے پھر ستائے گا

وہ تو شاعر ہے اپنے مہماں کو
رات دن شاعری سنائے گا

ماں کی سنتا نہیں جو بیوی کے
کپڑے دھوئے گا پھر سکھائے گا

ساتھ سویا ہے اک بھتیجا پھر
رات ساری مجھے جگائے گا

کس نے سوچا تھا چائے والا بھی
سب کو انگلی میں یوں نچائے گا

خوب بکتا ہے جھوٹ یہ لڑکا
یہ سیاست کے کام آئے گا

سچ ہے سالکؔ ادیب دنیا میں
جو ہنسائے وہی رُلائے گا

غزل

سالک ادیب

یہی جینے کا راستہ نکلا
اپنا دشمن بھی آسرا نکلا

دوست کہتے تھے جس کو جگری ہم
وہی دشمن کا لاڈلا نکلا

قدر جس کی نہ کی تھی لمحہ وہ
زندگانی کا ذائقہ نکلا

تجھ کو ہم ہوشمند سمجھے تھے
اور چاہت کا ماجرا نکلا

تیری مسکان کے پسِ پردہ
میرے زخموں کا سلسلہ نکلا

چند قدموں کا تھا سفر لیکن
عمر بھر کا یہ رابطہ نکلا

شعر سالکؔ ادیب لکھنے میں
لب و لہجے کا قاعدہ نکلا

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

سفر ندیم زھری

سبھی وفاؤں کی جاگیر کر عطا اے خدا
مجھے دعاؤں کی جاگیر کر عطا اے خدا

ہزار بار ملے زندگی فدا کرنے
سو کربلاؤں کی جاگیر کر عطا اے خدا

یہ میرا قلب وجگر آفتاب ہو جائے
بلال اداؤں کی جاگیر کر عطا اے خدا

ہمیشہ جادۂ حق دوسروں کو دکھلاؤں
کہ خضر آساؤں جاگیر کر عطا اے خدا

نوید پاؤں درِ مصطفیٰ ﷺ کی جنت کی
انہیں دعاؤں کی جاگیر کر عطا اے خدا



نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم

سمیعہ ناز
لیڈز، برطانیہ یو کے

سبز گنبد جو دلنشیں دیکھا
خوب اس سے نہ بہتریں دیکھا

اشک بہنے لگے ہیں آنکھوں سے
جب نظارہ درِ حسیں دیکھا

رشکِ فردوسِ ارض ہے طیبہ
باادب میں نے ہر مکیں دیکھا

میں فدا آپ کے تبسّم پر
خواب میں جو رُخِ حسیں دیکھا

میں کروں مدحتِ نبی پیہم
اس سے بڑھ کر نہ کچھ کہیں دیکھا

ہو دگر حاضری جو طیبہ کی
ناز رشکِ ارم وہیں دیکھا



نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سیّد خورشید سہسرامی
انڈیا

جو دل نبی کے عشق میں سرشار ہو گیا
اُس پر انعامِ رحمتِ غفار ہو گیا

چھو نہ سکے گی اُس کو جہنم کی آگ بھی
جس کے لبوں پہ ذکر کا گلزار ہو گیا

دیکھا ہے جس نے آنکھ سے روضہ رسول کا
خلدِ بریں میں جانے کا حقدار ہو گیا

سمجھے گا کیسے رتبۂ سرکار نجدیا
یوں الیہ سے وہ بدکار ہو گیا

قسمت کا کیا دھنی ہے وہ خورشیدؔ، خواب میں
جس کو رسولِ پاک کا دیدار ہو گیا



غزل

سیّدہ منوّر جہاں منوّرؔ

اُس پہ کب اختیار ہے میرا
دل بہت بے قرار ہے میرا

خود کلامی سے مل گئی راحت
جب سے وہ راز دار ہے میرا

لب ہیں خاموش پھر بھی اشکوں میں
غم بھی اب آشکار ہے میرا

دشمنوں کی جو کل صفوں میں تھا
آج وہ غمگسار ہے میرا

میں ہی مالی ہوں اس گلستاں کی
گل تو ہے اُن کا خار ہے میرا

بندگی بس خدائے واحد کی
زندگی میں شعار ہے میرا

اے منوّر وفا کی خوشبو سے
یہ چمن پُر بہار ہے میرا

غزل

شاہین فصیح ربانی

ایسا لگتا ہے کچھ غبار سا تھا
زندگی پر جو اعتبار سا تھا

دل عجب طور بے قرار سا تھا
جیسے سینے میں اک شرار سا تھا

جس کے لہجے میں اک وقار سا تھا
اس کی باتوں میں انتشار سا تھا

اس کی باتوں میں ربط تھا کہ نہیں
اس کے لہجے میں انتشار سا تھا

کوئی آیا نہیں، ملا ہوں کسے؟
شاید اپنا ہی انتظار سا تھا

میری الفت کی مہربانی تھی
اس کے چہرے پہ جو نکھار سا تھا

خامشی جھیل کی سی چھائی ہے
دل تھا پہلے کہ آبشار سا تھا

کیا کہیں کون تھا فصیحؔ، فصیحؔ
ہاں؛ کوئی شخص پر بہار تھا

غزل

شمیمؔ چودھری

دست بستہ گزارش ہے میرے خدا
فقر کی تھوڑی دولت مجھے کر عطا

کوئی مانے نہ مانے مری بات کو
میر وسلطاں ہیں سب تیرے در کے گدا

دولتِ دنیا کے جو طلبگار ہیں
اِن کی صحبت سے یارب مجھے تو بچا

دل لبھاتی تھی جن کی خطابت مرا
ڈھونڈتی ہوں میں وہ بندگانِ خُدا

بے ثمر دیکھتا ہے وہ جس شاخ کو
اُس پہ پھل پھول دیتا ہے پھر سے اُگا

تنگ دستی سے میری انھیں کیا غرض
پہن کے پھر رہیں ہیں جو زریں قبا

دُور نظروں سے تھا کارواں جا چکا
جب سفر پہ شمیم دِل آمادہ ہوا

غزل

شمیم چودھری

کہہ رہی ہوں میں تجھ سے مرے ہم نوا
میرے دردِ جگر کی کوئی کر دوا

کر دے کم جو میری آج تشنہ لبی
گردشوں میں وہی جام پھر سے تو لا

پیچ وخم سے جو راہوں کے واقف نہیں
دور کتنی ہے منزل انھیں کیا پتا

اِن چراغوں پہ مجھ کو بھروسہ نہیں
جلتا رہنے دو مٹی کا کوئی دیا

جس قمر کے لیے سب پریشان تھے
وہ ہے آغوش میں شب کی بیٹھا ہوا

جذب کر لے گی اُس کو یہ دِل کی زمیں
آنکھ سے اشک تیرے ہے جو بھی گرا

رات بھر میں یہی سوچتی ہوں شمیمؔ
کن بکھیڑوں میں الجھا ہے یہ دِل مرا

غزل

شہناز رضوی

سلسلہ ہے ابھی مسافت کا
جانے کب لمحہ آئے راحت کا

آپ سے یونہی باتوں باتوں میں
تذکرہ چھڑ گیا محبت کا

قربتوں ہی میں زندگی گزرے
کوئی لمحہ نہ آئے فرقت کا

مان جائیں گے ہم خدا کی قسم
آپ اظہار کیجے چاہت کا

التفات آپ نے جو فرمایا
شکریہ آپ کی عنایت کا

بدگمانی نہ لائیے دل میں
شائبہ تک نہیں عداوت کا

معترف ہے زمانہ جانتے ہیں
آپ کی فہم کا فراست کا

ہم تو حیراں ہیں آپ کے لب پر
آ گیا حرف کیوں وضاحت کا

دِل کا افسانہ لکھ دیا لیکن
کوئی عنواں ہو اس عبارت کا

ہم بھی دیکھیں گے کیا تماشا ہو
حسن اور عشق کی شراکت کا

شاعری ہے جنوں مرا شہنازؔ
ہے تمنّائی کون شُہرت کا

غزل

شہناز رضوی

فصلِ گُل آئے گی اِک اِک زخمِ دل لہرائے گا
اشک کی طغیانیوں میں یہ جہاں بہہ جائے گا

جس قدر بھی تُم چھپاؤ مُجھ سے اپنا رازِ دل
فاش ہو جائے گا آنکھوں سے عیاں ہو جائے گا

لاکھ ممکن ہے علاجِ درد لیکن کیا کہیں
درد آخر درد ہے پھر سے جواں ہو جائے گا

زندگی کا فلسفہ کیا ہے، نہ سمجھو گے کبھی
مَوت کی کیا ہے حقیقت وقت ہی بتلائے گا

جب مِٹے گی دل کی کالک تب بڑھے گا التفات
گیسُوؤں کے بادلوں میں چاند جگمگائے گا

اِس قدر اُلفت ہے ہم سے دلرُبا صیاد کو
ہم مَریں گے تو ہمیں کِس طرح وہ دفنائے گا

جانکنی کی کیفیت تو ہے کٹھن بے حد کٹھن
زیست کیا ہے جی کے دیکھو تب پتہ چل جائے گا

تین دن تک تیرے بھی گھر میں لگیں گی رونقیں
دیکھنا شہناز بس اِک آئے گا اِک جائے گا

غزل

صوفیہ حامد خان

اتنا دلکش ہے ہم نشیں میرا
سو، سفر بھی دلنشیں میرا

کامیابی ہے میرے قدموں میں
گر سلامت ہے نکتہ چیں میرا

عشق ہے اسکے ذرے ذرے سے
بوجھ اٹھاتی ہے یہ زمیں میرا

کوچ کر تو چلے مدینہ سے
ہے وہیں قلب یہ حزیں میرا

بے خبر رہ کے ہے خبر اس کی
دل ہے رہتا، وہیں کہیں میرا

صوفیہ، دور ہے گماں سے بہت
اس کی چاہت پہ ہے یقیں میرا

غزل

ضیاء شہزاد

نہ یہ تیرا ہے اور نہ ہے میرا
یہ جہاں چند سانسوں کا لہرا

کون آتا ہے کون جاتا ہے
کس کی قسمت میں کتنا ہے پھیرا

کیا دستور ہے، زباں بندی
منہ کو سی لینا شیوہ ہے میرا

پائے رفتن نہ جائے ہے ماندن
مجھ کو کیا بلاؤں نے گھیرا

جو بھی ہونا ہے آج ہو جائے
گر مقدر مرا یہی ٹھہرا

یاالٰہی یہ کیسی دنیا ہے
اور کیسا ہے بندہ یہ تیرا

آدمی آدمی کا دشمن ہے
ہر طرف خوف کا لگا پہرا

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
پھر بھی کیسا گھمنڈ نے گھیرا

مجھ کو شہزاد خوف آتا ہے
کیا سر پر عذاب ہے ٹھہرا

غزل

عاکف غنی

لاکھ اِس دل کو ہم نے سمجھایا
پر محبت سے یہ نہ باز آیا

جوش، جذبہ، جنون و پامردی
ہے یہی بس ہمارا سرمایہ

پتھروں سے نہیں گلہ کوئی
کچھ رویوں نے ہم کو زخمایا

تیری یادوں نے آبیاری کی
گل محبت کا جب بھی کملایا

عشق کی راہ میں لہو میرا
ہر نئے امتحاں نے گرمایا

بد نظر کھا گئی اسے کیسے
چاند چودہ کا دیکھو گہنایا

راہِ حق میں جو ڈٹ گئے عاکفؔ
رب کی رحمت کا ان پہ ہے سایہ

غزل

عبدالقدیم

غم مجھے گر کوئی نہیں ہوتا
زیست کا ہر سمے حسیں ہوتا

رہبری میں کسی کی جو رہتا
لہجہ پھر یوں نہ آتشیں ہوتا

زندگی سے بھی پیار ہو جاتا
زندگی جو وہ مہ جبیں ہوتا

کام اچھا اگر تو کر لیتا
تیرا چرچا بھی ہر کہیں ہوتا

بات میری جو مان لیتا تو
تیرا رستہ بھی پھر یہیں ہوتا

کچھ عنایت مجھے بھی تو ملتی
جو ترے شہر کا مکیں ہوتا

ہر طرف تو قدیم پہرے ہیں
تو کہاں گوشہ نشیں ہوتا

غزل

عرفان قادر

ٹھاٹھ سے آج افسری کرتا
چاپلوسی اگر نری کرتا

گر وہ رکھ لیتا نان میڈیکل
قیس ہرگز نہ عاشقی کرتا

تھوڑا اوپر تھا ڈیڑھ ٹن سے بھی
تولنے میں نہ گر کمی کرتا

عقدِ ثانی کا پوچھتے ہو کیوں؟
کوئی ایسے ہے خودکشی کرتا؟

سن تہتر میں جو ہوا پیدا
ساری باتیں ہے آئینی کرتا

دے کے جھاڑو، ہیں دھو لیے برتن
اور کپڑے ہوں استری کرتا

بد دعائیں نہ ملتیں رانجھے کو
گر نہ بھینسوں کی مخبری کرتا

اک گنوارا ہوں، قید سے آزاد
دل جو کہتا ہے، ہوں وہی کرتا

چل بڑا آ گیا ہے تُو شاعر
رُک! ہوں سیدھا تجھے ابھی کرتا

غزل

علیم اسرارؔ

غم کے دریا کو پار کر لینا
چاند تارے شمار کر لینا

دِل کو یوں داغ دار کر لینا
تہمتوں کا دیار کر لینا

کیسی دنیا ہے یہ سمجھنے کو
تم بھی دنیا سے پیار کر لینا

ٹوٹتے رشتے جوڑ لو پہلے
نین پھر اشک بار کر لینا

لوٹ آنے کی آس میں جاناں
عمر بھر انتظار کر لینا

داستاں عشق کی چھپانے کو
تم بہانے ہزار کر لینا

توڑ کر ساری ہی امیدوں کو
ختم دل کا غبار کر لینا

پھر سجا کر خیال کی دنیا
زندگی پہ بہار کر لینا

یوں تو آساں نہیں کنارہ کشی
بے سبب اختیار کر لینا

دل کا صحرا سجا کہ یادوں سے
زیست کو مشکبار کر لینا

پہلے اسرارِ زندگی کو سمجھ
بعد میں جاں نثار کر لینا

غزل

علیم ملک

خوں دِل کیا ہے؟ خونِ تمنا نہیں کیا؟؟
سوزِ فراقِ یار نے کیا کیا نہیں کیا؟

پندارِ عشق کرمکِ بریاں سے سیکھیے
چپ چاپ جل گیا پہ تماشا نہیں کیا

نشتر سے جتنے چاک تھے گو کہ رفو کیے
از بس کہ چارہ ساز نے اچھا نہیں کیا

سیلانیٔ طبع تھی بہت عشق میں حضور
پس انتظارِ محملِ لیلیٰ نہیں کیا

ظلمات جانے کیوں ہوئیں در پے مرے علیم
میں نے تو دعوائے یدِ بیضا نہیں کیا

غزل

علیم ملک

دیدۂ نیم وا سے کیا دیکھا
ایک طوفان سا بپا دیکھا

ہر سرِ آرزو سناں پر تھا
ہر طرف رقصِ کربلا دیکھا

خود پہ رویا کہ جب کوئی پتھر
راستے میں پڑا ہوا دیکھا

ہائے اس چشمِ التفات کا در
بند دیکھا نہ کچھ کھلا دیکھا

فرطِ حیرت نے کر دیا پتھر
یار لوگوں نے آئینہ دیکھا

چشمِ بینا بھی ہے طلسماتی
بند ہوتے ہی ان دِکھا دیکھا

مری وحدت پرستیاں دیکھو
ہر بشر میں چھپا خدا دیکھا

اے سماعت یہ وجد کیسا ہے؟
صوتِ زخمہ زنی میں کیا دیکھا؟

غزل

فاروق شائق

سانگو

بیکلیٔ روح و عالم پہ تڑپنا کیا
ہمنوا شب ہے، شبِ وصل میں تنہا کیا

آج کی رات گزر جاتی تو اچھا ہوتا
میری تنہائی پہ دیکھو یوں تماشا کیا

خون بستہ مرے آنسو ہیں سرِ کیفِ جنوں
یادوں کا بہتا ہوا موج میں دریا کیا

آنکھیں پوشیدہ تھیں، آدابِ سرِ آئینہ
جلوۂ دید سے تیرا یونہی پردہ کیا

اِس کہانی میں کوئی سحر نہیں، روئے کون
میرے الفاظ و بیاں کا ہے یہ لہجہ کیا

چشمِ مست آج تھی پھر محوِ تماشا اُن کی
سنگِ زنداں میں جنوں کا ہے مداوا کیا

میں مسافر ہوں، مرا کوچ سحر و شام ہے کیا؟
چلو پھر دشت و بیاباں میں بسیرا کیا

غزل

قدسیہ ظہور

کون دیکھے یہ خواب کی دنیا
سامنے ہے سراب کی دنیا

میرے دامن سے آلپٹتی ہے
خوشبوؤں کی گلاب کی دنیا

میری دنیا کتاب سا چہرہ
تیری دنیا کتاب کی دنیا

مجھ کو رکھتی ہے اپنی یادوں میں
کیسے خانہ خراب کی دنیا

ساری آنکھوں میں راز پلتے تھے
کس پہ کھلتی حجاب کی دنیا

میں نے جتنے سوال پوچھے تھے
ان کہی تھی جواب کی دنیا

مال و زر اور بس حکومت ہے
میرے عزت مآب کی دنیا

زندگی نے بدل کے رکھ دی ہے
جام ، ساقی ، شراب کی دنیا

ایک لمحے کی مسرت ہے
مختصر ہے حباب کی دنیا

دل کی دھڑکن بھی گنگناتی ہے
سر میں رکھی رباب کی دنیا

ڈھل چکی ہے خزاں کے پتوں میں
لہلہاتے شباب کی دنیا

ہر گھڑی احتساب جاری ہے
زندگی ہے حساب کی دنیا

اور ہے یہ محبتوں کا سبق
اور ہے کچھ نصاب کی دنیا

نیتوں پر ثواب ملتا ہے
دِل ہے گویا ثواب کی دنیا

پھول کتنے بکھر گئے ہوں گے
خوں میں تر ہے عذاب کی دنیا

میں ابھی تک غلام ہوں قدسیؔ
ہائے عالی جناب کی دنیا



غزل

کوکی گل

ایک دروازہ جو کھلتا دیکھا
خواب آنکھوں میں اُترتا دیکھا

دُوردرشن کی ضرورت کیا تھی
سامنے نور بکھرتا دیکھا

آج چلمن کی اسی اوٹ سے ہی
ہم سے مت پوچھ کہ کیا کیا دیکھا

آج پھر ایک دعا کے بدلے
معجزہ ہم نے بھی ہوتا دیکھا

ماں نے اِک لختِ جگر کی صورت
چاند کو گود میں ہنستا دیکھا

تھے مکاں اور محلے میں کئی
اس نے گھر دیکھا تو میرا دیکھا

ہم پہ ہی حشر نہ ٹوٹا کوئی
مضطرب اُس کو خاصا دیکھا

غزل

ماورا عنایت

ایک خواہش کو سو بہ سو دیکھا
تیری صورت کو کو بہ کو دیکھا

عشق کی بارگاہ میں ہم نے
شہر کا شہر بے وضو دیکھا

تیری آنکھوں میں رات کرتے ہوئے
ذات کو ہم نے رو بہ رو دیکھا

زندگی نام کے سمندر میں
خود کو بس محوِ جستجو دیکھا

دشتِ وحشت کی لامکانی میں
اک محبت کو سرخرو دیکھا

تیرے لہجے نے چھو لیا مجھ کو
پیراہن میں نے مشک بو دیکھا

ماورا اس کو میں نے دیکھا کہاں
ہاں مگر پھر بھی چار سو دیکھا

غزل

م-ح-عازمؔ

اگرچہ خانۂ دل ! خانۂ خراب ہوا
مگر وصال کا پنچھی تو دستیاب ہوا

وہ میرے کلبۂ جاں کو سنبھالنے والا
وہی تو عشقِ مجازی میں آب آب ہوا

عجیب فکرِ مراتب کی زد میں آ پہنچا
میں تم سے آپ ہوا آپ سے "جناب" ہوا

برو زِ حشر بتا پھر کدھر کو جائیں گے
وہاں بھی چہرۂ جاناں پہ گر نقاب ہوا

کمال رزمِ تماشا ہے ذات کے اندر
فریبِ ہست کو چھوڑا تو میں نواب ہوا



غزل

مبشر متین

اور پھر دل نہیں لگا میرا
دِل جو تجھ سے یہ لگ گیا میرا

میرے آگے بہاؤ مت آنسو
مجھ سے کہتا ہے آئینہ میرا

عشق پہلا کیا تھا تجھ سے ہی
اور تو ہی ہے دوسرا میرا

مجھ کو تیری طرف بہاتا ہے
میرے اندر کا ناخدا میرا

ان کے آگے بس اتنا ہی
ایک آنسو ٹپک پڑا میرا

اور پھر اٹھ گئی نظر ان کی
اور پھر خون ہو گیا میرا

تیری یادوں کے اشک پیتا ہوں
چیخ اٹھتا ہے حوصلہ میرا

اُس کے دل میں کہیں میں رہتا ہوں
جا کے اس سے لے آ پتہ میرا

غزل

محمد اشرف رضا قادری
بلوداباز ار چھتیس گڑھ، انڈیا

فصلِ خزاں میں سن کے ترانہ بہار کا
غم اور بڑھ گیا ہے دلِ داغ دار کا

ہوش و خرد ٹھکانے لگے، دل مچل اٹھے
جلوہ اگر جو دیکھ لے اس گل عذار کا

اُس پیکرِ جمال میں انگنت ہے کمال
خامہ لکھے تو کیا لکھے مدحت نگار کا

بادِ نسیم! کام یہ اچھا نہیں کیا
تو نے بجھا دی لو مری شمعِ مزار کا

بجلی تڑپ رہی ہے سرِ شاخِ آشیاں
کٹ جائے خیریت سے زمانہ بہار کا

علم و ادب، شعور کی دولت ہوئی نصیب
اشرفؔ پہ لطفِ خاص ہے پروردگار کا



حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

محمد خلیل الرحمن خلیل

میں سرائے میں دل لگا بیٹھا
اپنا رختِ سفر گنوا بیٹھا

شہر کے راستوں میں گم ہو کر
اپنی منزل کو ہی بھلا بیٹھا

جو ملا تھا عروج آدم کو
اس کو پاتال میں گرا بیٹھا

دل میں باقی رہا نہ خوفِ خدا
اس میں ابلیس گھر بنا بیٹھا

روح کو جسم کا بنا کے غلام
آتشِ نفس میں جلا بیٹھا

صرف توبہ کا رہ گیا خانہ
ہر طرف سے تو مات کھا بیٹھا

اے خدا بخش دے گناہ مرے
تیرے در پر خلیل آ بیٹھا

غزل

محمد خلیل الرحمن خلیل

جنون و عشق کے باعث مجھے زوال ہوا
کہ اِن کی زد میں جو آیا وہی نڈھال ہوا

خمار و کیف کا منظر بہت نرالا تھا
جنون رقص میں تھا، عشق کا دھمال ہوا

کمالِ آتشِ عشقِ خدا میں دیکھ چکا
فنائے ہست سے ہستی پہ جب جمال ہوا

کبھی جو دید کی حسرت میں جلتا رہتا تھا
سرابِ عشق میں کھویا تو پھر خیال ہوا

چلا جو عشق کی رہ پر وہ عقل کھو بیٹھا
اسے نہ سود و زیاں کا کبھی سوال ہوا

جنوں کی حد سے تجاوز جو کر گیا منصور
چڑھا وہ دار پہ تب عشق اک مثال ہوا

خبر ملی ہے اسے موت کی تو آ پہنچا
عجیب شخص سے میرا عجب وصال ہوا

مریضِ عشق دوا سے افاقہ پا نہ سکا
تکی جو صورتِ محبوب تب کمال ہوا

خلیل کب سے نگاہیں اداس ہیں تیری
ترا تو یار بھی جیسے کوئی ہلال ہوا

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

محمد رضا نقشبندی

دیکھ سکتا ہے تو مرے یارا
میں کبھی حوصلہ نہیں ہارا

تیری آنکھوں میں جب سے اترا ہوں
ایک پتھر سے بن گیا تارہ

ایسا سو بار کر کے دیکھا ہے
عشق ہوتا نہیں ہے دوبارہ

کون روتا ہے رات بھر ایسے
ہو گا کوئی یہ ہجر کا مارا

گیت سارے رضاؔ کے لکھے ہیں
جو بھی گاتا ہے ایک بنجارہ



نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم

محمد رضا نقشبندی

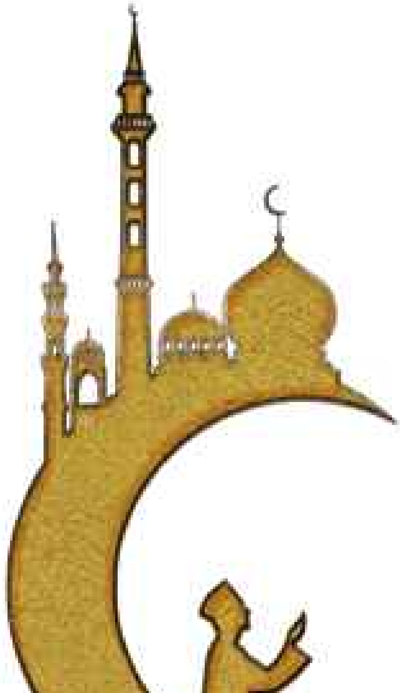
اوج پر اپنا مقدر ہو گیا
میں مدینے کا مسافر ہو گیا

چلتے چلتے آ گیا شہرِ نبی
منظروں میں کیسا منظر ہو گیا

جب پکارا نامِ نامی آپ کا
ایک سایہ میرے سر پر ہو گیا

نقشِ پائے مصطفیٰ کے فیض سے
راہرو تھا ایک رہبر ہو گیا

بجھ چکا تھا آس میری کا دیا
نامِ احمد سے منور ہو گیا



غزل

محمد فہیم
بہول

ضبطِ گریہ میں مبتلا دیکھا
عشق میں یہ بھی معجزہ دیکھا

ایک عالم سے ہے شناسائی
تجھ سا لیکن نہ بے وفا دیکھا

جسم اپنا مجھے لگا کھنڈر
تجھ کو خود سے جو ماورا دیکھا

قوتِ عشق سے زمانے میں
پتھروں کو بھی بولتا دیکھا

کوئی منظر نظر میں کب ٹھہرا
عکس تیرا ہی جا بجا دیکھا

عشق پر کب لگا کہیں پہرا
میں نے اظہار برملا دیکھا

یہ فسانہ نہیں حقیقت ہے
ایک رہزن کو رہنما دیکھا

گرد اتنی پڑی زمانے کی
نقش اس کا مٹا مٹا دیکھا

منتظر ہے فہیم کس کا تُو
بارہا در ترا کھلا دیکھا

غزل

مُرید باقر انصاری

"ا" الف سے مراد ایک واحد خدا

وہ جو آیا تھا ایک بار الف
اُس کا دامن ہے داغ دار الف

ساری خلقت پہ اب وہ قابض ہے
جس کو رہنا تھا اِس دیار الف

آج سب کچھ ہے جس کے پاس یہاں
مرنے پر ہو گا وہ شمار الف

بٹ گئے ہیں جو لوگ فرقوں میں
بھول بیٹھے ہیں دین دار الف

چھوڑ جائے وہ دنیا داری کو
جان جائے جو دنیا دار الف

دیکھنا کل وہ اِس کو روئے گا
آج لگتی ہے جس کو عار الف

معرِفت اُس پہ ساری کھل جائے
جان جائے جو ایک بار الف

سر جو باقر چڑھا ہے نیزے پر
پھر نظر آیا آر پار الف

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

مسعودہ ریاض

اے خدا تو جس کا دلبر ہو گیا
عجز کا وہ بندہ پیکر ہو گیا

دلربا ہر ایک منظر ہو گیا
جب خدا تیرا تصور ہو گیا

درد سے ہر دل شناور ہو گیا
آدمی انساں برابر ہو گیا

میرے اندر پانی کا گھر ہو گیا
"اشک غم گویا سمندر ہو گیا"

قلب میں جاگا جونہی خوفِ خدا
یکساں اندر اور باہر ہوگیا

کرتے جاتے طواف کعبہ سب
خلق کا بس ایک محور ہوگیا

ذکر تیرا جب کیا میرے خدا
قلب میرا تب منور ہوگیا

حمد تیری اے خدا جس نے کہی
در حقیقت وہ سخنور ہوگیا

جو پڑی مسعودہ پر آفت، ترے
اذن سے اب دور وہ شر ہوگیا

غزل

مسعودہ ریاض

تیرا یوں انتظار ہے کرنا
جیسے دل پر ہی وار ہے کرنا

تیر سیدھا اثر کرے دل پر
پھر جگر کے وہ پار ہے کرنا

رک سی جائیں وہ وقت کی گھڑیاں
اس طرح مجھ کو پیار ہے کرنا

بہتے کاجل کی آنکھ میں دھارا
آنسوؤں کا شمار ہے کرنا

نام بس تیرا لے کے اے ہمدم
دل کا اپنے قرار ہے کرنا

تیری یادوں کے نرم جھونکوں سے
ہر خزاں کو بہار ہے کرنا

دل تو کیا روح تیری گھائل ہو
عشق کا ایسا وار ہے کرنا

اب کسی پر یقیں نہیں کچھ، پر
تجھ پہ مسعودہ یار ہے کرنا

غزل

نادیہ سحر

وہ کہہ رہا تھا کہ تا زندگی نبھائے گا
خبر نہ تھی، مجھے پل بھر میں بھول جائے گا

ترے خیال کی جنت میں نیند آئے گی
ہوائے سرد کا جھونکا مجھے جگائے گا

کسی کے پیار کا سایہ ہے میرا راہ نما
وہی مجھے مری منزل پہ لے کے جائے گا

اسے پتا ہے، ہوا ہے مرے تعاقب میں
وہ دل کے طاق میں مجھ کو کہیں جلائے گا

یہ اطمینان بہر حال ہے مرے دل کو
بچھڑ گیا تو وہ خوابوں میں ملنے آئے گا

سحرؔ ہے نام، طلوعِ سحر ہے کام مرا
کوئی اندھیرا کہاں تک مجھے چھپائے گا



غزل

نادیہ سحر

ہمارے دل پہ کسی کا بھی کب اجارا رہا
ہمارا دل تو تمھارا تھا بس تمھارا رہا

تمام وقت تمھیں سوچا اور تمھیں چاہا
بچھڑ کے تم سے تو لمحہ بھی کب گوارا رہا

کوئی نہیں ہے ہمیں تم سے بڑھ کے دنیا میں
تمھارا پیار ہمیں زندگی سے پیارا رہا

ترے سوا تو کسی کو نہیں ہے سوچا کبھی
دھیان تیری طرف ہی ہمارا سارا رہا

کسی کو سوچا تو صحرا میں پھول کھل اٹھے
کسی کے دم سے حسیں کس قدر نظارا رہا

تمھارا ساتھ ہی مانگیں گے ہم خدا سے سدا
اگر زمین پہ آنا سحرؔ دوبارا رہا



غزل

ناصر خان نعمت مصباحی
دربھنگہ، بہار

تیرے دل کا جو راستہ ہوگا
میری منزل سے مل رہا ہوگا

روتے روتے جب آنکھ کھو دوں گا
پھر مرا تو ہی آسرا ہوگا

وہ مرے سامنے؟ اجی چھوڑو
کوئی دھوکہ نگاہ کا ہوگا

وہ اکیلے میں ہنستا رہتا ہے؟
عشق کا سرپھرا نشہ ہوگا

کیوں کسی سے نظر ملاتا ہے
دل! پتہ ہے کہ تیرا کیا ہوگا

سنتے ہیں بلبل اس کو چھوڑ گئی
گل کو صدمہ بڑا ہوا ہوگا

ایک تو۔۔اور لفظ عشق ووفا؟!
یوں ہی منہ سے نکل گیا ہوگا

نیند جب تیرے پاس رہتی ہے
میری آنکھوں میں خواب کیا ہوگا

تو مری زندگی جو بن جائے
زندگی میں بڑا مزہ ہوگا

میں نہیں اب سے تیری دنیا میں
جو بھی ہوگا مرے سوا ہوگا

ننگی شمشیر کے مصلے پر
سجدۂ عاشقی ادا ہوگا

دل میں بادل گرج کے یادوں کا
چشم نم سے برس پڑا ہوگا

ناصر اس نے تجھے بھلا ڈالا
یہ بھی قسمت کا فیصلہ ہوگا

غزل

نجمہ خان افکار

اقرار کے جیسا ہے یہ انکار تمہارا
ہم کیوں نہ سمجھ پائے یہ اظہار تمہارا

ہر حال میں کرنا ہے مجھے دردِ مداوا
انمول بہت یار ہے دیدار تمہارا

تم حال کی پرسش کے بہانے چلے آؤ
ہے مرگ کے بستر پہ وہ بیمار تمہارا

ترسا ہے بہت یار ترے پیار کے خاطر
جیون میں نہیں دیکھا کبھی پیار تمہارا

آنے کا بہت شوق ہے مجبور مگر ہوں
کعبہ ہے مرے یار یہ گھر بار تمہارا

بس یاد مجھے رکھنا یہی تو ہے محبت
سمجھا تو ہے ہر وقت ہی اقرار تمہارا

اک بار محبت میں گلے سے ہی لگا لو
میراث ہے بھرپور یہ افکار تمہارا

غزل

نسیم بیگم

جانے میں کب کہاں ہوا صحرا
مجھ کو کہتا ہے آئینہ صحرا

دیکھنے بستیوں کی ویرانی
آج اٹھ کر خود آ گیا صحرا

اتنی پھیلی ہیں نفرتیں دل میں
آج تو گھر بھی ہو گیا صحرا

کون پوچھے گا کس سے پوچھے گا
شہر کو کس نے کر دیا صحرا

دیکھ کر پھر پیاس ساحل کی
پھر سمندر کو چل پڑا صحرا

زیست انسان کی سراب ہی ہے
مجھ سے کہتا رہا سدا صحرا

خونچکاں بستی مجھکو کہتا ہے
جب سے میں نے اسے کہا صحرا

آبلوں نے کیا اسے سیراب
ہے جنوں کو پکارتا صحرا

دیکھ لینا کمال ظرف نسیمؔ
دل بھی ہو جائے جب مرا صحرا

حمدِ باری تعالیٰ جل جلالہ

نوید ظفر کیانی

تو منزّل تو صمد خداوندا
تو قوی تو احد خداوندا

ذات تیری ہے لم یلد، بے شک
بالیقیں لم یولد خداوندا

تو ہی پیش از ازل مرے آقا
تو ہی بعد از ابد خداوندا

خام میں اتنے ارتقاء پر بھی
تو مکمل خرد خداوندا

تو ہی میری حقیقتوں کا شناس
خود سے میں نابلد خداوندا

سب کو کشکول بھر کے دیتا ہے
از مہد تا لحد خداوندا

بھر دے اپنی رضا کے پھولوں سے
زندگی کی سبد خداوندا

بڑھ گئے دشمنانِ دیں کے بہت
آج قد و عدد خداوندا

لشکرِ ابرہہ ہوا درپے
ابابیلِ مدد خداوندا

طنز و مزاح

نوید ظفؔر کیانی

مدتوں بعد تجھ کو دیکھا تھا
دل تھا اور دھڑکنوں کا جھگڑا تھا

کیوں ٹرمپ سے بنے ہیں ابا تیرے
اِک تجھے تاڑنے تو آیا تھا

اپنے اپنے تھے سب کے جائے دماغ
تیرا گوڈا تھا میرا گٹا تھا

ہو پناما کا فیصلہ جیسے
اُس نے مکھڑے کو یوں چھپایا تھا

اُف وہ طرزِ تکلم بیگم
گویا اسٹارٹ ہوتا رکشا تھا

اپنے جیسے رقیب تھے میرے
اللہ دتہ تھا خیر دینا تھا

المیہ ہے یہی سیاست کا
جو بھی لیڈر ملا وہ لوٹا تھا

گھومتے تھے وہ گاڑیوں میں سدا
اور میرا نصیب ٹھینگا تھا

نہ تھی زوجہ کہ سودا منگواتی
جانے سودا کو کیا سودا تھا

اب تو بھینیں بھی کہتی ہیں، سوری
کبھی کٹا بھی چویا جاتا تھا

فیصلہ کر دیا تھا پرکھوں نے
کون ماموں تھا کون ابا تھا

آپ لندنا کے بھی رہے کالے
میں تو ایتھوپیا کا گورا تھا

طنز و مزاح

نوید ظفؔر کیانی

نیکیوں کا بھی سلسلہ رکھنا
کھانے پینے کا در کھلا رکھنا

سرفروشانہ اُس گلی جانا
بھاگنے کا بھی راستہ رکھنا

اُس کو اپنانا جیسے بن پائے
نام پھر اُس کا بھی بلا رکھنا

کبھی میک اپ بغیر بھی رہنا
اپنے شوہر کو بھی ڈرا رکھنا

لِسے بندوں کے سر چڑھے جانا
زور والوں سے دُم دبا رکھنا

کوئی شکرا تو پھنس ہی جائے گا
سر پہ جوڑے کا گھونسلہ رکھنا

مولوی کو اگر بلایا ہے
بوٹیاں اور شوربہ رکھنا

جو زمانے کو منہ چِڑاتا ہے
اُس کے آگے بھی آئینہ رکھنا

تھکیاں بھی ضروری ہیں لیکن
ہاتھ گدی پہ بھی جما رکھنا

رن کو رن نہ بنانے دینا ظفرؔ
خانگی میچ کو ڈرا رکھنا



غزل

نوید ظفر کیانی

عمر بھر جیتے رہیں، ہوتا نہیں ہے ایسا
زندگی سے کوئی سمجھوتا نہیں ہے ایسا

زہر اندر کا بہا دے کبھی یہ دیدۂ چشم
برشگالِ غمِ دِل ڈھوتا نہیں ہے ایسا

ایسا بھی کیا کہ میسر نہ رہیں خود کو بھی
بیٹھے بیٹھے تو کوئی کھوتا نہیں ہے ایسا

گڑبڑا دے پئے تعبیر مقدر کو بھی
خواب آنکھوں میں مگر بوتا نہیں ہے ایسا

جس قدر گریہ کناں ہے یہ تبسم تیرا
دیدۂ نم تو کبھی روتا نہیں ہے ایسا

روح سے تیری محبت کو کھرچ کر لے جائے
ایسے داغوں کو لہو دھوتا نہیں ہے ایسا

دُور و نزدیک کے رشتے ہمیں تکتے رہ جائیں
وقت سے خود کو ابھی جوتا نہیں ہے ایسا

مجھ سے ناخوش مرا کوئی بھی زمانے میں نہ ہو
ہو تو سکتا ہے مگر ہوتا نہیں ہے ایسا

اپنے پیاروں کے لیے بھی نہ اٹھا جائے ظفرؔ
چاہنے والا کبھی سوتا نہیں ہے ایسا

غزل

ہاشم علی خان ہمدمؔ

حرفِ تازہ کشید کرتا ہوا
میں غزل سے اٹھا نکھرتا ہوا

پھول جیسا ہے مجھ کو رزقِ سخن
رنگ موجِ غزل میں بھرتا ہوا

نفرتوں سے مجھے نہیں ڈرنا
مارا جاؤں گا پیار کرتا ہوا

بھیک میں زندگی نہیں لی ہے
مر کے پہنچا ہوں یار مرتا ہوا

مجھ کو تازہ ہواؤں نے چوما
میں نکھرتا گیا بکھرتا ہوا

ہر قدم پر چراغ جلتے ہیں
کون گزرا یہاں ٹھہرتا ہوا

من کے جنگل کو چاٹتا ہوا میں
اپنی خواہش کی گھاس چرتا ہوا

زرد ٹہنی کو سبز کرتے ہوئے
پنکھ زیتون پر اترتا ہوا

سلسلہ قیس تک تو پہنچے گا
عشق میں جان سے گزرتا ہوا

کتنے دریاؤں سے الجھتا ہوں
ایک دریا کو پار کرتا ہوا

تم جسے خاک دان کہتے ہو
خالی برتن ہے میرا برتا ہوا

تیرے پہلو میں ڈوبتا ہوا میں
میرے دامن سے تو ابھرتا ہوا

کیسے رستے پہ چل پڑا ہمدم
دِل کی دھرتی پہ پاؤں دھرتا ہوا

غزل

ہاشم علی خان ہمدمؔ

آئنے سے جو اختلاف کیا
اپنی صورت سے انحراف کیا

فرض جب عین شین قاف کیا
دل کی مسجد میں اعتکاف کیا

عمر گزری ہے دل رفو کرتے
چاک دامن ہمیشہ صاف کیا

کون جانے گا، کون سمجھے گا
ان کہی میں جو موشگاف کیا

در ضروری تھا روشنی کے لیے
گھر کی دیوار میں شگاف کیا

اس یقیں پر کہ کوئی اپنا ہے
ساری دنیا کو میں خلاف کیا

ہجر کاٹا ہے جاگ کر میں نے
تیری یادوں کو بے لحاف کیا

پہلی اور آخری محبت کی
جادلا! جا! تجھے معاف کیا

کب مری ذات مجھ پہ کھلتی تھی
مجھ پہ لوگوں نے انکشاف کیا

سر پہ یونہی دھنک نہیں تانی
مجھ پہ سورج نے انعطاف کیا

اے دیے کو بجھانے والی ہوا
جا تجھے اپنا خوں معاف کیا

دل کو کعبہ بنا لیا ہمدم
خواہشوں نے مرا طواف کیا

غزل

ہاشم علی خان ہمدمؔ

یہ تماشا بھی مرے یار ! کئی بار ہوا
آئنہ مجھ سے نمودار کئی بار ہوا

کیا کہوں ؟ تجھ سے مجھے پیار کئی بار ہوا
میں محبت میں گرفتار کئی بار ہوا

میری یک طرفہ محبت کو یہ تاثیر ملی
میرا مطلوب ، طلب گار کئی بار ہوا

ایک بوسے کی حرارت کو سخن پوش کیا
لمس کا نقش غزل دار کئی بار ہوا

آنکھ کھلتے ہی ترے قرب کا منظر دیکھا
خواب در خواب میں بے دار کئی بار ہوا

وہ ستارا جو مری شام سحر کرتا ہے
رات پھیلی تو ضیا بار کئی بار ہوا

میں خزاؤں میں بھی سر سبز ہوا، کھلتا رہا
دل بہاروں سے ثمر بار کئی بار ہوا

ایک لمحے کی ملاقات میں سرشار ہوئے
اور پھر قرب لگاتار کئی بار ہوا

میں نے ہر بار محبت کی قسم کھائی ہے
میرے جینے کا یہ معیار کئی بار ہوا

ایک دوجے کی جدائی میں نہیں جی سکتے
دونوں جانب سے یہ اقرار کئی بار ہوا

نام سنتے ہی ترا دل کو سکوں ملتا ہے
میری دھڑکن سے یہ اظہار کئی بار ہوا

وقت کے ہاتھ جو لگ جائے وہ بچتا کب ہے؟
اس خرابے سے میں دوچار کئی بار ہوا

اپنے محدود وسائل میں ترقی کی ہے
ورنہ میں جبر سے بے کار کئی بار ہوا

چشمِ رحمت نے لگاتار مری لاج رکھی
میں تھا انسان ، زیاں کار کئی بار ہوا

اپنے احساس پہ اک جنگ مسلط رکھی
خود سے بھی برسرِ پیکار کئی بار ہوا

میں جو کہتا تھا وہی بات خبر بنتی گئی
مجھ سے مشہور یہ اخبار کئی بار ہوا

کھینچ لیتا تھا مجھے آنکھ کا دریا ہمدم
دو کناروں پہ چلا ، پار کئی بار ہوا

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام: دیوانِ موجِ غزل۔

شاعر: شعرائے موجِ غزل۔

وضاحت: یہ مجموعہ شعرائے موجِ غزل کے حروفِ تہجی پر مبنی کلام کا پہلا دیوان ہے جو ردیف "الف" پر مشتمل ہے۔ یہ کلام گروپ میں منعقد کردہ پابند ردیف مشاعرہ نمبر ۵۲ بتاریخ ۱۵/اپریل ۲۰۱۷ء اور مشاعرہ نمبر ۲۹۲ بتاریخ ۲۱/نومبر ۲۰۲۱ء سے حاصل کیا گیا ہے، جسے مشاعرے کے ریکارڈ کے طور پر برقی کتاب کی صورت شائع کیا جا رہا ہے۔

صفحات: ۱۸۰

سالِ اشاعت: ۲۰۲۲ء

سنِ اضافہ: ۲۰۲۲ء

پبلشر: موجِ غزل پبلیکیشنز۔

فیس بُک کا پتہ: facebook.com/groups/1736109056634616

ہر ماہ نئے رنگ

طرحی
مشاعرہ رنگ

منفرد
ردیف رنگ

مختص
قافیہ رنگ

حرفی
ردیف رنگ

ان شاء اللہ